امام-طحاوی-اور-نسخ-فی-الحدیث-تحقیقی-و-تجزیاتی-مطالعہ

Article · November 2020

1 author:



Muhammad Waris Ali
Lahore Garrison University, Lahore

امام طحاویؒ اور نسخ فی الحدیث: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Imam Tahavi and Nullification in Hadith: A Research & Analytical Study

محمد وارث علی*

ABSTRACT

Imam Abu Ja'far Tahavi (321 A. H.) was an eminent traditionist (Muhadith) and Hanafi Jurist as he made a great contribution in both Hadith and Jurisprudence. In this article his point of view about Nullification has been presented with examples from his book "Sharh Ma'ani al-Athar". It is a fact that (hadiths) of the Holy Prophet (Allah's peace and blessing be upon Him) also have nullification like that in the verses of the Holy Qur'an. So if a scholar does not have proper knowledge about it, he will not be able to solve the issues properly. Imam Tahavi used different methods to identify the reasons of nullification in hadiths. He identified and stated that if any Sahabi narrated the hadith and then he gave the verdict (fatwa) against his own narrated hadith, it would reveal that the hadith narrated by him had been nullified by another hadith according to which he gave the verdict.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، لاہور گیریژن یونیورسٹی، ڈی ایچ اے فیز٦، لاہور، پاکستان۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ چوتھی صدی ہجری کے ان علماء میں سے ہیں جو حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کے بھی ماہر تھے۔ وہ مجتہد فی المذہب کے درجہ پر فائز تھے۔ شیخ الکوثریؒ فرماتے ہیں کہ ''امام طحاوی نے بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے اور اصول و فروع میں کئی قسم کے مسائل میں اپنا الگ نقطہ نظر پیش کیا ہے''[۱-الف]۔

قرآن مجید کے بعد فقہ اسلامی کا دوسرا ابنیادی ماخذ حدیث ہے۔ شرعی مسائل کے حل کے لیے نسخ فی الحدیث سے آگاہی اسی طرح ضروری ہے جس طرح نسخ فی القرآن سے۔ ناسخ و منسوخ احادیث سے متعلق بہت سے علماء نے مستقل تصانیف تحریر کی ہیں۔ امام طحاویؒ نے نسخ فی الحدیث سے متعلق کوئی مستقل کتاب تو تصنیف نہیں کی لیکن انہوں نے اختلاف الحدیث سے متعلق اپنی کتاب ''شرح معانی الآثار''میں متعدد مقامات پر علوم حدیث کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ ذیل میں امام طحاوی رحمہ اللہ کے نظریہ نسخ فی الحدیث کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

نسخ کا لغوی معنٰی

نسخ کا لغوی معنی ''ازالہ'' ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ''نسخت الشمس الظل'' (سورج نے سائے کو زائل کر دیا) اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے: ''نسخت الریح الآثار'' (ہوا نے قدموں کے نشان زائل کر دیئے)۔ بعض اوقات نسخ تحویل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تحویل کا معنی کسی چیز کا ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح منتقل ہونا ہے کہ اس کا وجود باقی رہے جیسے عرب کہتے ہیں: ''نسخت الکتاب أی نقلت ما فیه إلی آخر نسخت النحل ای نقلتها من خلیة إلی خلیة أخری''(میں نے کتاب کو منسوخ کیا یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا، میں نے شہد کو ایک خلیہ سے دوسرے خلیہ میں منتقل کیا)۔

اس پر قرآن کی یہ آیت واضح دلیل ہے:﴿ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾[۱-ب]۔(ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم عمل کیا کرتے تھے)۔

اسی طرح لفظ مناسخات ماخوذ ہے ''مناسخات فی المواریث''(یعنی ایک وارث سے دوسرے وارث کی طرف مال منتقل کرنا) سے[۲]۔

نسخ کا حقیقی اور مجازی معنی

اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ازالہ اور تحویل میں سے نسخ کا حقیقی اور مجازی معنی کونسا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ نسخ ان دونوں معانی میں مشترک ہو؟ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ نسخ کا حقیقی معنی "ازالہ" ہے جبکہ "تحویل" کے معنی میں یہ بطور مجاز استعمال ہوتا ہے [۳]۔ امام رازیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ مشہور شافعی عالم قفال شاشیؒ کے نزدیک نسخ کا حقیقی معنی "نقل و تحویل" ہے جبکہ "ازالہ" نسخ کا مجازی معنی ہے۔ قاضی ابو بکرؒ اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک نسخ ان دونوں معانی میں مشترک استعمال ہوتا ہے۔ تینوں طرح کے نقطہ نظر رکھنے والے حضرات نے اپنے اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کئے ہیں [۴]۔

نسخ کا اصطلاحی معنی

اصول فقہ کے ماہرین نے مختلف الفاظ میں نسخ کا اصطلاحی معنیٰ ذکر کیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے نسخ کی تعریف یوں بیان کی:

"النسخ هو بيان انتهاءحكم شرعى بطريق شرعى متراخ عنه" [۵]. (کسی شرعی حکم کی انتہاء کو کسی متاخر زمانی شرعی حکم سے بیان کرنا نسخ کہلاتا ہے)۔

علامہ ابن حاجبؒ کے ہاں نسخ کی تعریف:

"النسخ هو رفع الحكم الشرعى بدليل شرعى متاخر" [۶]. (نسخ سے مراد کسی حکم شرعی کا بعد میں آنے والی کسی شرعی دلیل سے ختم ہو جانا ہے)۔

شیخ محمد خضری بک نے نسخ کی تعریف میں فرمایا:

" هو رفع الشارع حكما شرعيا بدليل شرعى" [۷]. (شارع کا کسی حکم شرعی کو کسی دوسری شرعی دلیل سے رفع کرنا)۔

نسخ کا حکم

امام فخر الدین رازی تحریر کرتے ہیں: "ہمارے نزدیک عقلاً و نقلاً دونوں اعتبار سے نسخ جائز ہے۔ البتہ علماء یہود نے اس کے وجود کا انکار کیا ہے۔ بعض مسلمانوں سے بھی اس کا انکار منقول ہے لیکن ہمارے نزدیک نسخ کے جواز کی دو دلیلیں ہیں: ایک یہ کہ تمام امت کا نسخ کے وجود پر اجماع ہے۔ دوسری یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت قطعی دلائل سے ثابت ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کا یقینی مطلب یہ ہے کہ سابقہ رسل کی شریعت کے کل یا بعض احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔

نسخ کے منکرین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایک فعل میں دو پہلو ہوتے ہیں ایک اچھا پہلو اور دوسرا قبیح پہلو۔ اچھی بات سے روکنا یا قبیح کام کا) حکم دینا دونوں جہالت یا سفاہت کا ثبوت ہیں[۸]۔

طرقِ نسخ

نسخ کے چار طریقے ہیں:

۱۔ نسخ القرآن بالقرآن

قرآن کی کسی آیت کا کسی دوسری آیت کے ذریعے منسوخ ہونا۔ اس امر کی توضیح مندرجہ ذیل متعدد قرآنی آیات سے ہوتی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾[۹](جب ہم نے ایک آیت کو دوسری آیت سے بدل دیا اور اللہ تعالی جو کچھ نازل فرماتا ہے(اسے) اچھی طرح جانتا ہے)۔

دوسرے مقام پر فرمایا:﴿يَمْحُو اللهُ مَايَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَعِنْدَه أُمُّ الْكِتَابِ﴾[۱۰](اللہ تعالی جسے چاہتا ہے اسے ختم کر دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے)، اور اسی کے پاس اصل کتاب(لوح محفوظ) ہے۔

اور فرمایا: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْمِثْلِهَا﴾ [۱۱](جب بھی) ہم کسی آیت کو منسوخ قرار دیتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر دوسری آیت نازل کر دیتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے بیوہ کے لیے عدت پہلے ایک برس مقرر کی تھی۔﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾[۱۲](ایک سال کے لیے گھر سے نکلے بغیر نفع(نان ونفقہ) ہے) پھر چار ماہ دس دن کا حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾[۱۳] (اور وہ لوگ جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ(بیوائیں) اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن روکے رکھیں)۔

۲۔ نسخ القرآن بالسنۃ

اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ نسخ القرآن بالسنۃ المتواترہ

اس بارے میں علماء کے چار مذاہب ہیں:

الف۔ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کا نسخ عقلاً جائز لیکن شرعاً ممنوع ہے۔ امام شافعیؒ، ایک روایت کے مطابق، امام احمدؒ اور بہت سے علماء کی یہی رائے ہے۔

ب۔ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کا نسخ عقلاً و شرعاً دونوں طرح سے جائز ہے۔امام ابو حنیفہؒ، آپ کے اصحاب،

امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ، اکثر شافعی فقہاء، اشاعرہ و معتزلہ میں سے اکثر متکلمین کی یہی رائے ہے۔

ج۔ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کا نسخ عقلاً و شرعاً دونوں طرح سے ناجائز ہے۔ بعض شافعی فقہاء کی یہ رائے ہے۔

د۔ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کا نسخ عقلاً و شرعاً دونوں طرح سے جائز تو ہے لیکن یہ واقع نہیں ہوا۔

جمہور علماء اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾[۱۴](اور وہ (نبی ﷺ) تو اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے) اس آیت سے اس امر کی توضیح ہوتی ہے کہ قرآن اور سنت میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ قرآن وحی متلو ہے اور سنت وحی غیر متلو ہے۔لہذا ان دونوں کا ایک دوسرے کو منسوخ کرنا جائز ہے۔جمہور کا استدلال ان اخبار احاد سے بھی ہے جن کے ذریعے نسخ قرآن واقع بھی ہو چکا ہے۔ جیسے اللہ کے فرمان: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾[۱۵](جب تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ مال ترکہ میں چھوڑے تو اس پر وصیت کرنا ضروری ہے) سے وصیت کا وجوب ارشاد نبوی ﷺ "لاوصية لوارث[۱۶]" سے منسوخ ہو گیا۔

۲۔ نسخ القرآن بخبر الاحاد

نسخ القرآن بخبر الآحاد کا حکم دو پہلو سے ہے۔

الف۔ عقلی ب۔ شرعی

الف۔ عقلی حکم

خبر واحد کے ذریعے قرآن کا حکم منسوخ کر دینا عقلاً جائز ہے اور بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا جیسا کہ آمدی نے "الاحکام" اور امام رازی نے "المحصول" میں اس کی تصریح کی ہے۔

ب۔ شرعی حکم

اس بارے میں علماء کے تین مذاہب ہیں:

ا۔ یہ شرعاً ناجائز ہے۔ ابن قدامہ اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

۲۔ یہ شرعاً جائز ہے۔ داؤد ظاہری اور ابن حزم کی یہی رائے ہے۔
۳۔ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ جائز تھا۔ آپ کے بعد ناجائز قرار پایا امام غزالیؒ اور ابو الولید باجیؒ اس بات کے قائل ہیں[۱۷]۔

۳۔ نسخ السنۃ بالقرآن

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز ہے اور اس کا وقوع بھی ثابت ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں حکم نازل ہوا۔ ﴿فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ لَكُمْ﴾[۱۸] (تو اب تم ان (اپنی بیویوں) سے ہم بستری کریں اور تلاش کرو وہ جو تمہارے لیے اللہ نے لکھ دیا) یہ آیت مباشرت کی تحریم کے حکم کو منسوخ قرار دیتی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مباشرت کی تحریم قرآن سے ثابت نہیں ہے تو لازمی طور پر سنت میں اس کا حکم وارد ہوا ہو گا۔ لہذا نسخ السنۃ بالقرآن کی یہ بہترین مثال ہے[۱۹]۔

۴۔ نسخ السنۃ بالسنۃ

اسکی چار صورتیں ہیں:

۱۔ سنت مقطوعہ کا سنت مقطوعہ کے ذریعہ سے نسخ۔

۲۔ خبر واحد کا خبر واحد کے ذریعہ سے نسخ جیسے آپ ﷺ کا فرمان ہے: "قدكنت نهيتكم عن زيارة القبور فقد أذن لمحمد فى زيارة قبر أمه فزوروها فإنها تذكر الآخرة"[۲۰]. (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا پس محمد (ﷺ) کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی ہے تو تم بھی قبور کی زیارت کرو کیونکہ یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں)۔

۳۔ خبر مقطوع کے ذریعہ سے خبر واحد کا نسخ۔

۴۔ خبر واحد کے ذریعہ سے خبر متواتر کا نسخ۔

امام طحاویؒ اور ناسخ و منسوخ

سابقہ سطور میں اصول فقہ کے ماہرین کی آراء کی روشنی میں ہم نے یہ بات واضح کی کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت میں بعض احکام منسوخ ہیں اور بعض ناسخ۔ ناسخ کی موجودگی میں منسوخ پر عمل کرنے کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص شریعت محمدیہ کی موجودگی میں شریعت موسوی کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا خواہاں ہو۔ علم فقہ جو دراصل علم الاحکام بالحلال والحرام ہے اس میں ناسخ اور منسوخ احکام کا علم نہایت ضروری ہے اس طرح علم حدیث میں ناسخ و منسوخ احادیث میں بھی تمیز ضروری ہے کیونکہ یہ احادیث

بہت سے تفریعی مسائل کے لیے اصل کا حکم رکھتی ہیں اور کوئی بھی فقیہ تفریعی مسائل میں کسی منسوخ حدیث کو مقیس علیہ قرار دے کر بہت سی غلطیوں کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

کلام اللہ کی آیات معین ہیں اور اس میں ناسخ و منسوخ کی وضاحت کرتے ہوئے مفسرین اور فقہاکے درمیان بہت زیادہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں احادیث کا ذخیرہ بے شمار ہے ۔احادیث میں ناسخ اور منسوخ کی پہچان اور پھر دلائل و شواہد کے ساتھ اس کا ثبوت فراہم کرنا حدیث یا فقہ کے کسی عام ماہر عالم کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے کسی ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو ایک طرف بالغ النظر فقیہ ہو اور دوسری جانب وسیع النظر محدث۔

علم حدیث میں ناسخ اور منسوخ کی وضاحت میں سب سے نمایاں مقام جس شخصیت کو حاصل ہے اور جو فقہاء و محدثین دونوں کے مسلم امام و پیشوا سمجھے جاتے ہیں وہ امام، فقیہ، محدث، حافظ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمہ طحاوی ازدی مصری حنفی ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ کے نظریہ نسخ کی توضیح ہوتی ہے ۔اس ضمن میں امام طحاویؒ کا عام طریقہ کار تو یہ ہے کہ وہ پہلے مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کے بارے میں پہلے دیگر نقطہ ہائے نظر کی مؤید روایات لاتے ہیں اس کے بعد اپنا نقطہ نظر کی مؤید روایات ذکر کرتے ہیں۔

ا۔میت کے ذمہ فرائض کا کفارہ

عن ابن عباس قال: "إن المرءة ركبت البحر، فنذرت أن تصوم شهرًا فماتت قبل أن تصوم فأتت أختها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذكرت ذلك فأمرها أن تصوم عنها"[۲۱].

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے سمندری سفر پر روانہ ہوتے وقت یہ نذر مانی کہ وہ ایک ماہ تک روزے رکھے گی پھر نذر پوری کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا اس کی بہن بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئی اور نذر کی تکمیل کی بابت دریافت کیا آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ مرحومہ کی طرف سے (بطور کفارہ) روزے رکھے)۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من مات وعليه صيام صام عن وليه"[۲۲].(اگر کوئی شخص انتقال کر جائے اور اس پر کچھ روزے (فرض یا واجب) ہوں تو اسکے ولی کو اس کی جانب سے یہ روزے رکھنے چاہیے)۔

ان دونوں روایات کے پیش نظر اہل علم کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر کسی میت کے ذمے روزے واجب الاداہوں تو میت کا کوئی عزیز اسکی طرف سے یہ روزے رکھے، تو میت کے ذمہ سے یہ فرض یا واجب ساقط ہو جائے گا۔ لیکن امام ابو جعفرؒ کی رائے اس سلسلے میں مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھما دونوں سے یہ بات منقول ہے کہ اس صورت میں مرحوم کی جانب سے روزہ رکھنے کی بجائے روزے کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ارشاد فرمایا:

"لایصل أحد عن أحدٍ ولایصوم أحد عن أحد ولكن يطعم مكان كل يوم مدٌّ حنطة"[۲۳].

(کوئی شخص دوسرے کی جانب سے نماز ادا نہ کرے اور نہ ہی روزہ رکھے بلکہ ایک روزے کے عوض ایک مد گندم صدقہ کرے)۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے چار دیگر روایات منقول ہیں جن میں انہوں نے یہی فتوی صادر فرمایا: "سئل ابن عباس عن رجل مات وعليه صيام شهر رمضان ونذر شهر آخر فقال يطعم عنه ستين مسكينا"[۲۴]. (حضرت ابن عباسؓ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس پر ماہ رمضان اور کسی دوسرے مہینے کے روزے واجب تھے تو آپؓ نے ارشاد فرمایا: اس (میت) کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے)۔

عمارہ بنت عمید روایت کرتی ہیں: "سألت عائشة رضي الله عنها عن امرءة ماتت وعليها صوم شهر رمضان فقالت: أطعموا عنها"[۲۵]. (ایک خاتون انتقال کر گئی جس کے ذمے کچھ ماہ رمضان کے روزے واجب الادا تھے میں نے اس کے بارے میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا اس کی طرف سے کھانا کھلا دو)۔

امام ابو جعفر طحاویؒ اس روایت کے مختلف طرق اور الفاظ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس مسئلے میں نبی اکرم ﷺ سے منقول روایت صرف حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں اور ان دونوں کے اپنے فتاویٰ ان کی نقل کردہ روایات کے خلاف ہیں جس کا بدیہی مطلب یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے اس حکم کے منسوخ ہو جانے کی بابت کوئی حدیث سن کر یہ فتویٰ جاری کیا ہو گا۔ چونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ان کا عدل ساقط ہو جائے گا اور عدل ساقط ہونے کی صورت میں ان

کی روایات معاذاللہ ساقط الاعتبار قرار پائیں گی، اس لئے ہم یہ حسن ظن بلکہ یقین رکھیں گے کہ انہوں نے بعد میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی مزید فرمان سن کر سابقہ مذکور روایات کے خلاف فتویٰ دیا ہو گا[۲۶]۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام طحاویؒ کے نزدیک صحابی کا اپنی روایت کردہ خبر واحد کے خلاف فتویٰ دینا اس خبر کے منسوخ ہونے کی دلیل بن سکتا ہے۔ کیونکہ حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار صرف پیغمبر اکرم ﷺ کو ہے اور کسی صحابی کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محض اپنی رائے کی بدولت حدیث کے خلاف فتویٰ دے گا۔ چونکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور حدیث کے خلاف فتویٰ دینا عدل کے منافی ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی صحابی سے خلاف عدل امر ثابت ہو جائے تو یہ اس کی نقل کردہ روایات کو بھی ساقط الاعتبار قرار دے گا۔

۲۔ یوم عاشورہ کا روزہ

اس ضمن میں امام طحاویؒ نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا اور ان میں سے ناسخ و منسوخ احادیث کی نشاندہی کی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ:

"قدم رسول الله ﷺ المدينة، فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء، فسألهم، فقالوا: "هذا اليوم الذى أظهر الله فيه موسى على فرعون"، فقال: "أنتم أولى بموسى منهم فصوموه"[۲۷].

(جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہود عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون (اور اسکے لشکر سے) چھٹکارا عطا فرمایا تھا۔ تو (نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا۔ تم ان (یہودیوں) کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ (حقدار) ہو لہٰذا تم اس دن روزہ رکھا کرو)۔

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ امام ابو جعفر طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مسلمان اس دن فرض کی بجائے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے تھے اور اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ مسلمانوں نے پہلے پہل بطور شکر روزہ رکھنا شروع کیا ہو اور پھر یہ ان پر فرض کر دیا گیا ہو کیونکہ روزے کی فرضیت کی روایات سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جابر بن سمرہ اور دیگر صحابہ سے منقول ہیں۔ اس کے برعکس حضرت قیس بن سعدؓ نے فرمایا: "أمرنا بصوم يوم عاشوراء قبل ان يفرض رمضان فلما نزل رمضان لم

نومر ولم ننه عنه ونحن نفعله"[۲۸]. (کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے ہمیں عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر جب رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ہمیں (عاشورہ کے روزے جاری رکھنے کا)نہ تو حکم دیا گیا اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا پس ہم اپنے معمول کے مطابق انہیں ادا کرتے رہے۔)

سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت جابر بن سمرہ سے عاشورہ کے دن روزہ کے بارے میں روایات ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے عاشورہ کے دن روزہ فرض تھا بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس بارے میں کوئی مزید حکم نازل نہیں ہوا۔

اسی طرح حضرت قیس بن سکنؒ حضرت ابن مسعودؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"قال أتاه رجل وهو يأكل فقال له هلم فقال: إني صائم فقال له عبدالله كنا نصومه ثم ترك يعني يوم عاشوراء"[۲۹]. (ابن مسعود) فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور وہ اس وقت (کچھ) کھا رہے تھے انہوں نے فرمایا آؤ (کھانا کھاؤ) اس (آدمی) نے کہا کہ میں روزے دار ہوں تو (حضرت عبداللہ بن مسعود نے) انہیں فرمایا کہ ہم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر چھوڑ دیا گیا۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یوم عاشورہ کے روزے والی احادیث منسوخ ہو چکی ہیں اور ان کی ناسخ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اب عاشورہ کے دن کا روزہ استحباب کے طور پر رکھا جائے گا۔

۳۔ گھر میں نماز پڑھ کر آنے والا شخص مسجد میں ہونے والی جماعت میں شامل ہو گا یا نہیں؟

حضرت محجن دیلی فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اسی دوران اقامت پڑھی گئی اور آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے میں الگ ہو کے بیٹھ گیا اور نماز میں شریک نہ ہوا نماز سے فراغت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں مسلمان ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ میں نے عرض کی میں گھر والوں کے ساتھ یہ نماز پڑھ چکا تھا آپ ﷺ نے فرمایا:

"إذا جئت إلى الصّلوة فوجدت الناس فصلِّ معهم"[۳۰]. (اگرچہ تم گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکے ہو لیکن) جب (مسجد میں آ جاؤ اور) لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پاؤ، تو ان کے ساتھ (بھی) پڑھو۔

اس حدیث کی روشنی میں اہل علم کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر کوئی شخص گھر میں نماز ادا کر چکا ہو اور پھر مسجد میں چلا جائے؛ جہاں جماعت تیار ہو، تو اسے چاہئے کہ جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز ادا کرے خواہ وہ کسی بھی وقت کی نماز ہو۔

امام ابو جعفر طحاویؒ کی رائے اس سے مختلف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس طریقے سے صرف ظہر اور عشاء کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ فجر، عصر اور مغرب کی نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے امام طحاویؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب کہ کوئی شخص گھر میں نماز ادا کرلیتا ہے تو اس کے ذمے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اب اگر وہ مسجد میں آکر وہی نماز دوبارہ ادا کرتا ہے تو یہ نماز نفل شمار ہوگی۔ مغرب کی نماز اس طریقے سے اس لیے ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں تین رکعت ہوتی ہے جبکہ نوافل طاق اعداد کے مطابق ادا نہیں کیے جاسکتے۔

اسی طرح فجر اور عصر کی نماز اس طریقے سے اس لیے ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فجر اور عصر کی نماز کے بعد نوافل ادا کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا صلوة بعد صلوة الصبح حتى تطلع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس"[۳۱].

(صبح کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز (جائز) نہیں اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک نماز (درست) نہیں لہذا فجر اور عصر کے بعد نوافل کی ممنوعیت کا اثبات کرنے والی روایات حضرت محجن دیلی سے منقول روایت کی ناسخ شمار ہوں گی)۔

۴۔ کیا عورت محرم کے بغیر سفر حج کر سکتی ہے؟

اہل علم کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر کسی عورت کا محرم موجود نہ ہو تو کیا اس پر حج فرض ہوگا بالفاظ دیگر کیا وہ عورت حج کی ادائیگی کے لیے سفر کر سکتی ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے پانچ اقوال مع ادلہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کوئی عورت محرم کے بغیر کوئی سفر نہیں کر سکتی خواہ فاصلہ کم ہو یا زیادہ ہو اسکی دلیل حضرت عبد اللہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو معبد نقل کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: "لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم"[۳۲]. (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے)۔

۲۔ عورت محرم کے بغیر ایک برید کی مسافت (جو تقریبا بارہ میل کے لگ بھگ ہے) سے زیادہ سفر نہیں کر سکتی اسکی دلیل حضرت ابو ھریرہ سے منقول یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاتسافر المرأة بريدا إلا مع زوج أو ذى رحم محرم"[۳۳]۔(کوئی بھی عورت اپنے محرم یا شوہر کے بغیر ایک برید (یا اس سے زیادہ) سفر نہ کرے)۔

۳۔ عورت کسی محرم کے بغیر ایک دن سے کم مسافت کا سفر کر سکتی ہے ایک دن یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر نہیں کر سکتی۔ حضرت ابو ھریرہؓ ہی سے منقول ایک اور روایت ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر تسافر مسيرة يوم إلا مع ذى محرم"[۳۴]۔(کسی بھی عورت کے لیے محرم کے بغیر ایک دن یا اس سے زیادہ سفر کرنا جائز نہیں ہے)۔

۴۔ کوئی عورت محرم کے بغیر دو دن یا اس سے زیادہ مسافت والا سفر نہیں کر سکتی البتہ اس سے کم سفر کرنا جائز ہے۔

اسکی دلیل حضرت ابو سعید خدریؓ سے منقول یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "لا تسافر المرأة يومين من الدهر إلا ومعها ذو محرم منها أو زوجها"[۳۵](کوئی عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر دو دن (یا اس سے زیادہ) مسافت والا سفر نہ کرے)۔

۵۔ عورت تین دن یا اس سے زیادہ مسافت والا سفر محرم یا شوہر کے بغیر نہیں کر سکتی اس سے کم کر سکتی ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما سے منقول یہ روایت ہے جس کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: "لا تسافر المرأة ثلاثا إلا ومعها ذومحرم"[۳۶]۔(کسی عورت کے لیے تین دن سے زیادہ مسافت والا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں ہے۔)

امام ابو جعفر طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کوئی عورت محرم کے بغیر تین دن سے کم مسافت والا سفر کر سکتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو تین دن کا تعین کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ لہذا یہ روایت ان تمام روایات کے لیے ناسخ شمار ہو گی جن میں تین دن سے کم سفر کرنے کی ممانعت منقول ہے[۳۷]۔

۵۔ کیا رمل کرنا سنت ہے؟

اہل علم کے درمیان اس بارے میں اختلاف فرمایا ہے کہ آیا طواف کعبہ کے دوران رمل کرنا یعنی پہلوانوں کی طرح کندھوں کو حرکت دیتے ہوئے اکڑ کر چلنا سنت ہے یا نہیں جو حضرات اس کو سنت تسلیم

کرتے ہیں وہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے منقول اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں حضرت ابو طفیل فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے عرض کیا آپکی قوم کا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے رمل کیا اور یہ سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا:
"صدقوا قد رمل رسول الله ﷺ وكذبوا ليس بسنة"[۳۸]. (انہوں نے سچ کہا چونکہ رسول ﷺ نے بیت اللہ شریف میں رمل کیا لیکن یہ جھوٹ بولا کیونکہ یہ سنت نہیں)۔

بلکہ رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ شریف تشریف لائے اور مشرکین قعیقعان پہاڑی پر تھے آپ ﷺ کو خبر ملی کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو بیماری نے کمزور کر دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ رمل کر کے انکو اپنی طاقت دکھاؤ تو رسول ﷺ حجر اسود سے رکن یمانی تک رمل کرتے جب ان سے او جھل ہو جاتے تو عام طریقے سے چلتے۔

اہل علم کا دوسرا گروہ جس میں امام ابو جعفر طحاوی بھی شامل ہیں اس بات کا قائل ہے کہ طواف کے دوران رمل کرنا سنت ہے یہ حضرات حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ ہی سے منقول اس روایت سے استدلال کرتے ہیں: "رمل رسول الله ﷺ من الحجر إلى الحجر ثلاثا ومشى أربعا"[۳۹]. (نبی اکرم ﷺ نے (طواف کے) تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار (چکروں) میں رمل نہیں فرمایا)۔

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے طواف کے تین چکروں میں رمل فرمایا ہے اگر رمل کا مقصد صرف مشرکین کے سامنے شان و شوکت کا اظہار ہوتا تو آپ ﷺ صرف اسی حصے میں رمل فرماتے جو مشرکین کے سامنے تھا بقیہ حصے میں عام رفتار سے چلتے لیکن کیونکہ آپ ﷺ نے مکمل چکر کے دوران رمل فرمایا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس عمل میں مشرکین کے سامنے اظہار شان و شوکت کے ساتھ کوئی دوسری حکمت بھی پوشیدہ ہو گی[۴۰]۔

۶۔ کیا حاملہ عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے؟

علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ حاملہ عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

ایک گروہ حاملہ عورت سے مباشرت کو مکروہ کہتا ہے جبکہ دوسرے گروہ کے مطابق حاملہ عورت سے حمل کے دوران مباشرت کرنا جائز ہے۔ احناف کا موقف بھی دوسرے گروہ سے موافقت رکھتا ہے۔

پہلے گروہ کی اپنے موقف پر دلیل حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنھا سے مروی وہ روایت ہے

جس میں غیر شعوری طور پر اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لاتقتلوا أولادكم سرًا فإنّ قتل الغيل يدرك الفارس البطل فيدعثره عن ظهر فرسه"[41]. (میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنی اولاد کو پوشیدہ طور پر (غیر شعوری طور پر) قتل نہ کرو۔ بے شک حالت حمل میں جماع کا قتل بہادر نوجوان کو گھوڑے کی پیٹھ سے گرا دیتا ہے)۔

دوسرے گروہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل روایت پیش کی ہے کہ عامر بن سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ نے میرے باپ سعد بن ابی وقاصؓ کو اس بات کی خبر دی کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی (یارسول اللہ ﷺ) میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا (پیٹ میں موجود) بچے کے بارے میں ڈرتے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "إن كان كذلك فلا ماكان ليضر فارس والروم"[42]. (اگر یہ بات ہے تو (عزل) نہ کیا کرو یہ (حالت حمل میں وطی کرنا) ایرانیوں اور رومیوں کو نقصان نہیں پہنچاتا (تو ہمیں کیسے نقصان دے گا)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حاملہ عورت سے مباشرت کرنا جائز ثابت ہو رہا ہے اور نبی دوعالم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حالت حمل میں مباشرت کرنا ایرانیوں اور رومیوں کو نقصان نہیں دیتا، تو ان کے علاوہ باقی افراد کے لئے کیسے نقصان دہ ہو سکتا ہے اور یہ روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنھا کی روایت کے خلاف ہے۔ لہذا جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ دوسری روایت پہلی روایت کی ناسخ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أن النبى صلى الله عليه وسلم كان ينهى عن الاغتيال ثم قال لو ضر أحدا لضر فارس و الروم"[43]. (نبی اکرم ﷺ حمل کی حالت میں مباشرت کرنے سے منع کیا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس سے کسی کو نقصان پہنچتا تو (اہل) ایران اور روم کو بھی نقصان پہنچتا۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی مکرم ﷺ بچے کی کمزوری کی وجہ سے حالت حمل میں جماع سے منع کیا کرتے تھے اور یہ منع کرنا وحی یا حرام و حلال کی بناء پر نہ تھا بلکہ امت پر شفقت کے پیش نظر

تھا لیکن جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اس سے بچے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات مسئلہ کے حل کے لئے ناسخ اور منسوخ نصوص کا تعین کرنے کے لئے کسی اور روایت کا سہارا لیتے ہیں۔

۷۔ اگر جانور کسی کے کھیت وغیرہ میں نقصان کر دے تو مالک پر تاوان ہو گا یا نہیں؟

فقہاء و محققین کا اس بارے میں اختلاف ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر جانور دن کے وقت کسی کی فصل وغیرہ خراب کرے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے لیکن اگر رات کے وقت ایسا ہو تو پھر جانور کا مالک اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ اس نقصان کو پورا کرے کیونکہ دن کے وقت کھیت کے مالک کو اپنے کھیت کی حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ یہ حضرات اپنے اس موقف کی تائید میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إن ناقة لرجل من الأنصار دخلت حائطاً فأفسدت فيه فقضى النبى صلى الله عليه وسلم على أهل الحائط بحفظها بالنهار و على أهل المواشى ما أفسد مواشيهم بالليل"(۴۴). (انصار میں سے ایک شخص کی اونٹنی ایک باغ میں داخل ہو گئی اور اس نے اسے خراب کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ دیا کہ باغ والے دن کو اپنے باغ کی حفاظت کریں اور جانوروں والے اس کا تاوان دیں گے جو رات کے وقت ان کے جانور نقصان کریں)۔

اس کے برعکس دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اگر جانور کھلے چھوڑے ہوئے ہوں تو وہ دن کے وقت نقصان کریں یا رات کے وقت نقصان پہنچائیں ان کے مالکوں پر اس کا تاوان نہیں ہے کیونکہ حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "السائمة عقلها جبار و المعدن جبار" (۴۵). (باہر چرنے والے جانوروں کا تاوان معاف ہے اور (معدنیات کی) کان (میں گرنے والے) کا تاوان معاف ہے)۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اب ہم اس بات پر غور و فکر کریں گے کہ ان روایات میں سے تاریخی اعتبار سے کونسی پہلے ہے اور کونسی بعد میں تاکہ ان کے مابین ناسخ و منسوخ کا فیصلہ کیا جاسکے۔

لہذا جب غور و فکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت براء بن عازبؓ والی حدیث منسوخ ہے اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی حدیث اس کی ناسخ ہے۔ کیونکہ حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایات دلالت کرتی ہیں کی یہ حدیث براء بن عازبؓ کی حدیث کے بعد ہے۔ پھر منسوخ حدیث میں جو حکم

ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے سے لیا گیا ہے جو انہوں نے کھیت کے بارے میں فرمایا تھا جسے کسی کا ریوڑ چر گیا تھا سرکار دو عالم علیہ السلام نے بھی اسی قسم کا فیصلہ فرمایا حتی کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے لئے یہ شریعت ظاہر فرمائی جس نے سابقہ احکام کو منسوخ کر دیا[۴۶]۔

اس بارے میں امام طحاوی تین اعتبارات سے نص پر نقد پیش کرتے ہیں۔

الف۔ حضرت براء بن عازبؓ سے مروی روایت منقطع ہے۔

ب۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے سے ماخوذ ہے۔

ج۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت سے منسوخ ہے۔

۸۔ کیا بیوہ اور مطلقہ عورت دوران عدت اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہے یا نہیں؟

کچھ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ مطلقہ اور بیوہ عدت کے دوران جہاں تک چاہے سفر کر سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کے برعکس ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ بیوہ عدت کے دوران اپنے گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن رات اپنے گھر میں ہی گذارے گی اور مطلقہ عورت دن اور رات کسی وقت بھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی امام طحاویؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

پہلا گروہ اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل حدیث مبارک بطور دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال:"طلقت خالة لى فأرادت أن تخرج فى عدتها إلى نخل لها فقال لها رجل: ليس ذلك لك؛ فأتت النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: أخرجى إلى نخلك وجديه فعسى أن تصدقى و تصنعى معروفا"[۴۷].

(میری خالہ کو طلاق دی گئی تو عدت کے دوران انہوں نے اپنے کھجوروں کے باغ میں جانے کا ارادہ کیا ان سے ایک شخص نے کہا تمہارے لیے یہ جائز نہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا تم اپنے کھجوروں کے درخت کی طرف جا سکتی ہو اور انہیں توڑ سکتی ہو قریب ہے کہ تم صدقہ کرو اور اچھا کام کرو)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث میں جس سے مخالفین نے استدلال کیا ہے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس وقت کی بات ہے جب عدت میں سوگ واجب نہیں تھا اس وقت یہی حکم تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا جس پر مختلف روایات مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ

رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا یحل لامرءة تؤمن باللہ و الیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثة أیام إلا علی زوج فإنها تحد علیه أربعة اشهر وعشرا"(۴۸).

(جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے (البتہ اپنے خاوند) پر چار مہینے دس دن سوگ کرے)۔

اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو سرکار دوعالم ﷺ نے حکم دیا کہ تین دن سوگ کریں پھر جو چاہیں کریں لیکن اس کے بعد چار مہینے دس دن عدت گذارنے کا حکم دیا۔ اس سے بھی اس بات کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ بعد میں پہلا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔

۹۔ کفار پر حملہ کرنے سے پہلے انہیں دعوت دی جائے یا نہیں؟

ایک گروہ کے مطابق کفار پر حملہ آور ہونے سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ طلب کیا جائے اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں تو ان سے جنگ کی جائے۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ ابن بریدہ کی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

"کان رسول اللہ ﷺ إذا أمر رجلا علی سریة قال له: إذا لقیت عدوك من المشرکین، فادعهم إلی إحدی ثلاث خصال أو خلال، فأیتهن أجابوك إلیها فاقبل منهم وکف عنهم ادعهم إلی الإسلام فإن أجابوك فاقبل منهم و کف عنهم ثم ادعهم إلی التحول من دارهم إلی دار المسلمین و أخبرهم أنهم إن فعلوا ذلك ان علیهم ما علی المهجرین ولهم مالهم فإن هم أبوا فأخبرهم أنهم کأعراب المسلمین یجری علیهم حکم اللہ الذی یجری علی المومنین و لایکون لهم فی الفیئ و الغنیمة شیئ إلا أن یجاهدوا مع المسلمین فإن هم أبوا أن یدخلوا فی الإسلام فسئلهم إعطاء الجزیة فإن أجابوا فاقبل منهم وکف عنهم فإن أبوا فاستعن باللہ وقاتلهم"(۴۹).

(رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر پر کسی کو امیر بناتے تو اس سے فرماتے جب تم اپنے دشمنوں مشرکین کے مقابل جاؤ تو انہیں تین باتوں میں سے ایک کی طرف بلاؤ وہ ان میں سے جو بات مان لیں تم ان سے قبول کرو اور ہاتھ روک لو انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اگر وہ تمھاری بات مان لیں تو ان سے قبول کر لو اور ہاتھ روک لو انہیں پھر ان کے اپنے علاقے سے مسلمانوں کے ملک کی طرف جانے کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں تو ان پر وہی کچھ لازم ہو گا جو مہاجرین پر ہے اور انہیں وہ کچھ حاصل ہو گا جو مہاجرین کو حاصل ہے اگر وہ انکار کر دیں تو وہ اعرابی مسلمانوں کی طرح ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہو گا جو مومنوں پر جاری ہوتا ہے

لیکن ان کے لئے غنیمت اور فئے میں کوئی حصہ نہیں ہو گا البتہ یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کا حکم دیں اگر مان جائیں تو اسے قبول کر وا و ان سے ہاتھ روک لو اور اگر انکار کر دیں تو اللہ کی مدد چاہو اور ان سے لڑو)۔

اس روایت سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر لشکر اسلام کا امام کفار کو اسلام کی دعوت دیئے بغیر ان پر حملہ آور ہو گا تو وہ گناہ گار ہونگے۔

جبکہ دوسرا گروہ اس چیز کی مخالفت کرتے ہوئے اس نقطہ نظر کا حامل ہے کہ اگر کفار کو دعوت اسلام نہ بھی دی گئی ہو تو ان پر حملہ آور ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ حضرات اسامہ بن زید کی روایت کردہ حدیث نبوی پیش کرتے ہیں۔ عن أسامة بن زيد قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "أغر على ابنى صباحا ثم حرق"[۵۰]. (حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ابنی والوں پر صبح کے وقت حملہ کرو اور (ان کے باغات وغیرہ) جلا دو)۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يغير على العدو عند صلوة الصبح فيستمع فان سمع أذانا أمسك وإلا أغار"[۵۱]. (نبی اکرم ﷺ اپنے دشمن پر صبح کے وقت حملہ آور ہوتے اگر اذان سنتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرنے کا حکم دے دیتے)۔

ان روایات کے پیش نظر اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ کفار کو اسلام کی دعوت دیئے بغیر ان پر حملہ آور ہونا درست ہے۔

اب دو قسم کی روایات ہیں جن میں بظاہر تضاد نظر آرہا ہے کچھ روایات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ کفار کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے اور کچھ کے مطابق ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔

امام ابو جعفر طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان دو قسم کی روایات میں غور و فکر کرنے سے ہمیں معلوم ہوا کہ یقیناً ان میں سے بعض ناسخ ہیں اور بعض منسوخ۔ چنانچہ یزید بن سنان ابو بکرہ اور ابن مرزوق اپنی اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عون نے فرمایا کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ کر لڑائی سے پہلے دعوت اسلام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "إنما كان ذلك فى أول الإسلام أغار رسول الله صلى الله عليه وسلم على بنى المصطلق وهم غارون وأنعامهم على الماء"[۵۲]. (یہ

(لڑائی پہلے دعوت) اسلام کے آغاز میں تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا اور وہ دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے ان کے جانور پانی پر تھے)۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ لڑائی سے پہلے اسلام کی دعوت دینا اس وقت ضروری تھا جب ابھی اسلام کی دعوت عام نہیں ہوئی تھی اور کفار کو معلوم نہ تھا کہ ان سے جو جنگ ہو رہی ہے وہ کس وجہ سے ہے لیکن جب یہ دعوت عام ہو گئی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ ان سے جو لڑائی ہو رہی ہے وہ کس وجہ سے ہے تو اب انہیں دعوت اسلام دیناضروری نہ رہااس وجہ سے ان پر حملہ کر دیا جانے لگا۔

۱۰۔ کیامتعہ جائز ہے؟

فقہاء کااس میں اختلاف ہے کہ ایک خاص مدت کے لئے مخصوص رقم پر کسی عورت سے نفع اٹھاناجائز ہے یانا جائز؟ بعض حضرات اسے جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال: " كنا نغز مع رسول الله ﷺ و ليس لنا نساء فقلنا يا رسول الله ﷺ ألا نستخصى فنهانا عن ذلك و رخّص لنا أن ننكح بالثوب إلى أجل ثم قرأ هذه الآية: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُحَرِّمُواْ طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِين﴾(۵۳)"(۵۴).

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے اور ہمارے پاس بیویاں نہ ہوتی تھیں تو ہم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمیں ایک کپڑے کے بدلے ایک خاص مدت تک نکاح کرنے کی اجازت دی پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ: جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں انہیں حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

اس نص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک خاص مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ دوسرے علماء اس موقف کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے تو وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن متعہ کرنا اس وقت تک درست تھا جب تک یہ حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ چونکہ یہ منسوخ ہو چکا ہے؛ جس کی ناسخ روایات بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، اس لیے یہ اب جائز نہیں۔

حضرت ابن شہاب زہری سے روایت ہے:

یقول(علی ابن ابی طالب) لابن عباس: إنّكَ رجل تايه؛ إنّ رسول الله ﷺ نهى عن متعة النساء[55]. (حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ بے شک آپ بھٹکے ہوئے مرد ہیں رسول اکرم ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جو اجازت پہلے ذکر کی گئی وہ اس سے پہلے تھی پھر اس سے منع کر دیا گیا۔ تو منع کرنا پہلی اجازت والی روایات کے لئے ناسخ ثابت ہوا اور مذکورہ بالا روایت پہلی روایت کے لئے ناسخ بنی۔ اس کے علاوہ بھی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ متعہ کی اجازت کے بعد اس سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے حضرت عبد اللہ اور حسن رضی اللہ عنہم حضرت محمد بن حنفیہ سے روایت کرتے ہیں: عن علی ابن بی طالب رضی الله عنه قال:"إنّ رسول الله نهى عن متعة النساء يوم خيبر"[56]. (حضرت علی ابن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمادیا)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ متعہ درست ہے اور بعض اس کی مخالفت کرتی ہیں تو یقیناً ان میں کچھ ناسخ کچھ منسوخ قرار پائیں گی۔ پھر دیگر ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں متعہ سے منع کر دیا گیا پھر صحابہ کرام سے بھی اس کی ممانعت اس بات کی تائید ہے کہ متعہ کرنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ متعہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت تھی جس کے ذریعے اس نے امت پر رحم فرمایا اور اگر حضرت عمر فاروقؓ اس سے منع نہ فرماتے تو کوئی بدبخت ہی زنا کا مرتکب ہوتا۔ اور حضرت عطاءؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (صحابہ کرامؓ) عورتوں سے متعہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمادیا[57]۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ امام طحاویؒ کسی نص پر نقد کرتے ہوئے ناسخ روایت کی تائید میں بعض اوقات اقوال صحابہؓ سے بھی مدد لیتے ہیں۔

۱۱۔ جس نے ایک رکعت پالی اس نے پوری نماز پالی؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من أدرك من صلوة الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصلوة"(۵۸).(جو شخص سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت ادا کرلے تو (گویا) اس نے پوری نماز پالی)۔

اس حدیث کی روشنی میں بعض فقہاء اس مسلک کے قائل ہیں کہ اگر کسی شخص نے نماز ادا کرنا شروع کی اور ایک رکعت ادا کرنے کے بعد سورج طلوع ہو گیا اور دوسری رکعت اس نے سورج نکلنے کے بعد ادا کی تو اس کی نماز درست ہو گی۔

بعض فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ جس شخص کی نماز کے دوران سورج طلوع ہو جائے اس کی نماز درست نہیں ہو گی۔ یہ حضرات پہلے گروہ سے تعلق رکھنے والے فقہاء کی پیش کردہ حدیث کا جواب یوں دیتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارک میں کئی احتمالات پائے جاتے ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے جس کے آپ حضرات قائل ہیں یعنی ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک رکعت ادا کرنے کے بعد سورج طلوع ہو گیا تو ایسے شخص کی نماز درست ہو گی۔

لیکن ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ بچے ہوں جو سورج نکلنے سے پہلے بالغ ہو گئے ہوں۔ یا وہ حائضہ عورتیں ہوں جو سورج نکلنے سے پہلے پاک ہو جائیں یا وہ غیر مسلم ہوں جو سورج نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے اسلام قبول کرلیں تو ان سب لوگوں پر فجر کی نماز ادا کرنا فرض ہو گا اور اگر یہ لوگ مخصوص وقت میں فجر کی نماز ادا نہیں کر پاتے تو بعد میں اس کی قضاء کرنا لازم ہو گا۔ اگرچہ جس وقت فجر کی نماز ان پر فرض ہوئی تھی اس وقت بہت تھوڑا سا وقت باقی تھا۔

گویا اس صورت میں دوسرا فریق، پہلے فریق کی پیش کردہ روایت کا مخالف یا منکر نہیں ہے بلکہ حدیث کے معانی کے مدلول اور مراد کے تعین میں اختلافی نقطہ نظر رکھتا ہے۔

پہلے فریق سے تعلق رکھنے والے فقہاء دوسرے فریق کے پیش کردہ اس احتمال کا جواب یوں دیتے ہیں کہ درج ذیل روایات آپ کے بیان کردہ احتمال کی نفی کرتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من أدرك من صلوة الغداة ركعة قبل أن تطلع الشمس فليصل إليها أخرى"(۵۹)(جو شخص سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت ادا کرلے تو اسے چاہیے کہ دوسری رکعت بھی ساتھ شامل کر لے۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت یوں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ادرك ركعة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فقد تمت صلاته واذا ادرك ركعة من صلوة الصبح فقد تمت صلاته" (۲۰).(جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پڑھ لی اس نے گویا اپنی نماز مکمل کر لی اور جس نے (طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی نماز کی ایک رکعت پالی گویا اس نے فجر کی نماز ادا کر لی)۔

یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس نماز کے بارے میں حکم ارشاد فرمایا ہے اس سے مراد وہ نماز ہے جس کا آغاز سورج نکلنے سے پہلے کیا جاچکا ہو اور جسے سورج نکلنے کے بعد پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ لہٰذا ہماری پہلے ذکر کردہ حدیث میں اس بات کا احتمال موجود نہیں رہے گا کہ شاید اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہوں جو سورج نکلنے سے پہلے بالغ ہوئے تھے یا وہ عورتیں ہوں جو سورج نکلنے سے پہلے پاک ہوئیں تھیں یا وہ مجنون ہوں جنہیں سورج نکلنے سے پہلے افاقہ نصیب ہوا تھا یا وہ غیر مسلم ہوں جنہوں نے سورج نکلنے سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

دوسرے نقطہ نظر کے قائلین یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر احادیث مبارکہ سے وہی مفہوم مراد لیا جائے جو آپ پیش کرتے ہیں تو اب اس بات کا احتمال موجود ہوگا کہ شاید یہ حکم ابتدائے اسلام کے زمانہ سے تعلق رکھتا تھا اور بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ایسی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں جن میں آپ ﷺ نے طلوع آفتاب کے وقت نماز ادا کرنے سے منع فرمایا تھا۔

پہلے فریق سے تعلق رکھنے والے فقہاء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان اوقات میں نماز کی ادائیگی کی ممانعت کا مضمون رکھنے والی تمام روایات سے مراد ان اوقات میں فرض کی بجائے، نوافل کی ادائیگی کی ممانعت ہوگی۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد سے لے کر سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ ہماری طرح آپ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد قضاء نماز ادا کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ ممانعت نوافل کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا آپ نے جو روایات ان اوقات میں نماز کی ممانعت سے متعلق پیش کی ہیں ہم ان سے نفلی نماز مراد لیتے ہیں۔

دوسرے فریق کے علماء اس کا جواب یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسی روایات موجود ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قضاء نمازیں بھی، طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت نماز کی ادائیگی کے حکم میں داخل ہیں۔ جیسا کہ درجِ ذیل روایت اس بات کا ثبوت ہے:

عن عمران بن حصين قال: "سرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة أو قال في سرية فلما كان آخر السحر عرسنا فما استيقظنا حتى أيقظنا حر الشمس فجعل الرجل منا يثب فرعاً دهشا فاستيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرنا فارتحلنا من مسيرنا حتى ارتفعت الشمس ثم نزلنا فقضى القوم حوائج هم ثم أمربلالا فأذن فصلينا ركعتين فأقام فصلى الغداة فقلنا: يا نبي الله! ألانقضيها لوقتها من الغد؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "أين هاكم الله عن الربوا ويقبله منكم"[۲۱]۔

(حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک لشکر کی شکل میں جارہے تھے (رات کے آخری پہر پڑاؤڈالا اور) سحری کے وقت ہم سب سو گئے (فجر کی نماز کے وقت) ہماری آنکھ نہ کھل سکی یہاں تک کہ سورج کی تپش نے ہمیں بیدار کیا ہم میں سے ہر ایک شخص دہشت زدہ اور گھبرائی ہوئی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ نبی اکرم ﷺ جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم جاری کیا۔ ہم وہاں سے آگے روانہ ہوگئے جب سورج اچھی طرح بلند ہو گیا تو ہم نے دوبارہ ایک جگہ پڑاؤڈالا تمام لوگ حوائج ضروریہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے اذان دی اور ہم سب نے (فجر کی قضاء نماز کی) دو رکعات ادا کیں۔ بعض حضرات نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم اسے کل فجر کے وقت میں ادا نہیں کرسکتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نوافل قبول نہیں فرماتا کیا(فرض) قبول فرمالیتا)۔

دوسرے موقف کے حامی فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت نماز کی ادائیگی کی ممانعت کے حکم میں قضاء اور نوافل تمام نمازیں شامل ہوں گی۔ اس پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ پہلے فریق کی جانب سے پیش کی جانے والی اول الذکر حدیث مبارک جس میں طلوع آفتاب کے دوران نماز کی ادائیگی کو درست قرار دیا گیا تھا تو حکم ابتدائے اسلام کے زمانے پر محمول ہو گا اور اب اسے منسوخ تصور کیا جائے گا جبکہ وہ تمام روایات جن میں نبی اکرم ﷺ نے طلوع وغروب آفتاب کے وقت نمازیں ادا فرمانے سے منع فرمایا ہے وہ روایات اس حکم کا ناسخ تصور ہوں گی۔

خلاصہ بحث

۱۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی فقہ کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ بعض مسائل میں اجتہادی رائے رکھتے ہیں۔

۲۔ نسخ کا معنی ازالہ اور تحویل ہے امام رازی کے نزدیک نسخ کا حقیقی معنی ازالہ اور مجازی معنی تحویل ہے قفال شاشی کے نزدیک حقیقی معنی نقل و تحویل ہے اور ازالہ اس کا مجازی معنی ہے امام ابو بکر کے نزدیک نسخ ان دونوں معانی میں مشترک استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ نسخ سے مراد کسی حکم شرعی کا بعد میں آنے والی کسی شرعی دلیل سے ختم ہو جانا ہے۔

۴۔ نسخ کے چار طریقے ہیں ا۔ نسخ القرآن بالقرآن ۲۔ نسخ القرآن بالسنہ ۳۔ نسخ السنہ بالقرآن ۴۔ نسخ السنہ بالسنہ

۵۔ امام طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں ایک حدیث کا دوسری حدیث سے منسوخ ہونا دلائل سے ثابت کیا ہے۔

۶۔ امام طحاوی کے نزدیک راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتوی دینا اس حدیث کا نسخ ثابت کرتا ہے کیونکہ صحابی نے حضور سے کوئی حدیث سنے بغیر پہلی روایت کے خلاف فتوی نہیں دیا ہو گا۔

۷۔ یوم عاشور کے روزے کی فرضیت والی احادیث منسوخ ہیں۔

۸۔ محرم کے بغیر عورت زیادہ سے زیادہ تین دن کی مسافت کا سفر کر سکتی ہے اور تین دن سے کم کی روایات اس حدیث سے منسوخ ہیں جس میں تین دن کی مسافت کی اجازت ملتی ہے۔

۹۔ اگر کسی کا جانور کسی کے کھیت یا فصل کو نقصان پہنچادے تو اس کا تاوان مالک پر نہیں ہو گا۔

۱۰۔ مطلقہ عورت اپنی عدت کے دوران گھر سے نہیں نکل سکتی جن احادیث میں مطلقہ عورت کے گھر سے نکلنے کی اجازت ہے وہ منسوخ ہیں۔

۱۱۔ کفار کے خلاف حملہ آور ہونے سے پہلے انہیں دعوت اسلام دینے والی احادیث منسوخ ہیں کیونکہ یہ اس وقت تھا جب اسلام کی دعوت عام نہیں ہوئی تھی جب دعوت اسلام عام ہو گئی تو حضور اکرم بغیر دعوت کفار پر حملہ کر دیتے تھے۔

۱۲۔ متعہ کے جواز پر مشتمل احادیث منسوخ ہیں اور اس حوالے سے امام طحاوی نے اقوال صحابہ کو بھی تائید کے لئے بیان کیا ہے۔

۱۳۔ طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے اور مکمل کرنے والی احادیث کو ان احادیث سے منسوخ قرار دیا گیا ہے جن میں طلوع آفتاب کے وقت نماز سے منع کیا گیا

حواشی وحوالہ جات

ا۔الف ۔ الکوثری، محمد زاہد، الحاوی فی سیرۃ امام جعفر الطحاوی، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی (ت ن) ص:۱۸۔

ا۔ب ۔سورۃ الجاثیہ،۴۵ : ۲۹۔

۲۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، قم: نشر ادب الحوذہ، (ت ن) ، ص: ۶؍۴۴۰۷ ۔

۳۔ شوکانی، محمد سید علی، ارشاد الفحول، مصر: المکتبۃ التجاریۃ (ت ن)، ص:۱۷ ۔

۴۔ احمد بن ادریس، نفائس الاصول فی شرح المحصول، سعودی عرب: مکتبہ نزار مصطفی الباز، ۱۹۹۹ء ص: ۶؍۲۴۹۔

۵۔ رازی، احمد بن محمد، المحصول فی علم الاصول، بیروت: مکتبۃ العصریۃ، ۱۳۴۵ھ، ص: ۴۲۳۔

۶۔ قاضی ابن حاجب، شرح مختصر ابن حاجب، ص: ۳۲۴؛

۷۔ بک، الشیخ محمد الخضری، اصول الفقہ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۶۹ء ص:۲۵۰۔

۸۔ احمد بن ادریس، نفائس الاصول، ص: ۶؍۲۴۹۔

۹۔ سورۃ النور، ۲۴: ۱۰۱۔

۱۰۔ سورۃ الرعد، ۱۳: ۳۹۔

۱۱۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۰۶۔

۱۲۔ سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۴۰۔

۱۳۔ سورۃ البقرہ، ۲: ۲۳۴۔

۱۴۔ سورۃ النجم، ۵۳: ۴۔

۱۵۔ سورۃ البقرۃ، ۲:۱۸۰۔

۱۶۔ ترمذی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی، ابواب الوصایا، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، حدیث: ۲۰۴۷ ص: ۲؍۳۲؛ نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب ابطال الوصیۃ للوارث، حدیث: ۳۷۵۶ ، ص: ۷؍۲۰؛ ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب من مات ولم یوص ھل یتصدق عنہ، حدیث: ۲۷۰۷، ص: ۱۹۵۔

۱۷۔ ڈاکٹر عبدالکریم، شرح روضۃ الناظر، بیروت، دار احیاء التراث العربی، (ت ن) ص: ۲؍۷۸۵، ۷۹۶۔

۱۸۔ احمد بن ادریس، نفائس الاصول فی شرح المحصول، ص: ۶؍۲۵۹۔

۱۹۔ سورۃ البقرۃ، ۲ : ۱۸۷۔

۲۰۔ ترمذی، جامع ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور، حدیث: ۹۷۴ ص: ۱؍۲۰۳۔

۲۱۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، من مسند بنی ہاشم، بدایۃ من مسند عبداللہ بن عباس، حدیث: ۱۹۰۱ ص: ۱؍۳۳۸؛ نسائی، سنن نسائی کتاب الایمان والنذور، باب من نذر ثم مات، حدیث: ۳۷۵۶ ص: ۷؍۲۰؛ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیہ صوم، حدیث: ۱۸۱۷ ص: ۱؍۲۶۱۔

۲۲۔ مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصیام، قضاء الصیام عن المیت، حدیث: ۱۱۴۷ ص: ۱؍۳۸۲؛ بیہقی، ۴؍۲۵۵۔

۲۳۔ نسائی، سنن نسائی، کتاب الایمان والنذور، باب من نذر ثم مات، حدیث: ۳۷۵۶ ص: ۱؍۱۸۰۔

۲۴۔ طحاوی، احمد بن محمد شرح مشکل الآثار، کتاب الصوم، باب مشکل ماروی عن رسول اللہ فی الواجب، حدیث:۱۳۹۷ ص: ۳؍۲۳۔

۲۵۔ ایضاً، ص: ۳؍۲۴۔

۲۶۔ طحاوی، شرح مشکل الآثار، ص: ۳؍۲۴۔

۲۷۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: ۹۰۲ , ص: ۲؍۷۵۔ مسلم، صحیح مسلم، الصیام، باب یوم عاشوراء، حدیث: ۱۹۱۰ص: ۱؍۷۹۳؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، حدیث:۱۸۶۵ ،ص ۱؍۲۶۸؛ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داود، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث : ۲۰۸۸ ص:۱؍۳۳۸۔

۲۸۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث:۸۹۹ص : ۲؍۷۵؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، حدیث: ۴۱۴۳ ، ص : ۱؍۲۶۸؛ مسلم، صحیح مسلم ،الصیام، باب یوم عاشوراء، حدیث: ۱۹۰۵ص: ۱؍۳۵۷۔

۲۹۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث:۸۹۵ , ص: ۲؍۷۵؛مسلم، صحیح مسلم، الصیام، باب یوم عاشوراء، حدیث: ۱۹۰۶ ص: ۱؍۳۵۷؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، حدیث: ۴۱۴۳، ص: ۱؍۲۶۸۔

۳۰۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یصلی فی رحلہ ثم یاتی المسجد والناس، ص: ۲۴۹؛ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم، حدیث۴۸۹ص: ۱؍۹۲۔

۳۱۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب الصلوۃ بعد الفجر، حدیث ۵۴۷ ص: ۱؍۸۲؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین قصرھا، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ، حدیث: ۱۳۶۷ص: ۱؍۲۹۵؛ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ الصلوۃ بعد العصر وبعد الفجر، حدیث: ۴۸۹ص: ۱؍۴۶؛ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الحج، باب المراۃ لاتجد محرما، حدیث نمبر۱۱۰۱ص: ۱؍۴۱۴۔

۳۲۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب حج النساء، حدیث: ۱۷۲۹ص: ۱؍۲۵۰؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی الحج وغیرہ، حدیث: ۲۳۹۱ص: ۱؍۴۵۳۔

۳۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب المناسک الحج، باب المراۃ لاتجد محرم ھل یجب علیھا فرض الحج ام لا، ص:۱؍۴۱۵ ۔

۳۴۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب تقصیر الصلوۃ، باب فی کم تقصر الصلوۃ، حدیث:۱۰۲۶، ص: ۱؍۱۴۷؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی الحج، حدیث: ۲۳۸۷، ص: ۱؍۴۵۳؛ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فی المراۃ تحج بغیر محرم، حدیث: ۱۴۶۵ص: ۱؍۲۴۸۔

۳۵۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب حج النساء، حدیث:۱۷۳۱ص: ۱؍۲۵۰؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی الحج، حدیث: ۲۳۸۳ص: ۱؍۴۵۳۔

۳۶۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب تقصیر الصلوۃ، باب فی کم تقصر الصلوۃ، حدیث: ۱۰۲۴ص: ۱؍۱۴۷؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی الحج، حدیث: ۲۳۸۱ص: ۱؍۴۵۳؛ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فی المراۃ تحج بغیر محرم، حدیث: ۱۴۶۷ص: ۱؍۲۴۹۔

۳۷۔ طحاوی، شرح مشکل الآثار، کتاب الحج، باب مشکل ماروی عن رسول اللہ فی کم مدۃ سفر المراۃ، ص: ۵؍۳۷ ۔

۳۸۔ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فی الرمل، حدیث: ۱۶۰۹ص:۱؍۲۶۶؛بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب کیف کان بدا الرمل ، حدیث:۱۴۹۹ص : ۱؍۲۱۸؛ مسلم ، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرمل فی الطواف، حدیث: ۲۲۱۷ص : ۱؍۴۳۰۔

۳۹۔ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فی الرمل، حدیث: ۱۶۱۵ص: ۱؍۲۶۶؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب من طاف بالبیت اذا قدمہ مکۃ ، حدیث:۱۵۱۲ص : ۱؍۲۱۹؛ مسلم ، صحیح مسلم ، کتاب الحج، باب استحباب الرمل فی الطواف، حدیث: ۲۲۱۳ص: ۱؍۴۳۱۔

۴۰۔ طحاوی، شرح مشکل الآثار، کتاب الحج، باب مشکل ماروی عن رسول اللہ فی الرمل، ص: ۷؍۵۶ ۔

۴۱۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب النکاح، باب الوطی الحبالی، ص ۲؍۲۸؛مسلم ، صحیح مسلم ، کتاب النکاح، باب جواز الغیلۃ،حدیث: ۲۶۱۲ ص : ۱؍۴۸۶؛ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الطب ، باب ماجاء فی الغیلۃ،حدیث: ۲۰۰۳، ص : ۲؍۳۷۔

۴۲۔ طحاوی، شرح معانی الآثار ، کتاب النکاح، باب الوطی الحبالی, ص ۲؍۲۹؛ مسلم ، صحیح مسلم ، کتاب النکاح، باب جواز الغیلۃ،حدیث: ۲۶۱۴ص: ۱؍۴۸۶۔

۴۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب النکاح، باب الوطی الحبالی، ص ۲؍۲۹؛ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الغیلۃ،حدیث: ۲۰۰۴ص: ۲؍۳۷۔

۴۴۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الجنایات، باب مااصابت البھائم فی اللیل والنھار، حدیث:۸۰۳ص ۲؍۱۱۱۔

۴۵۔ طحاوی، شرح معانی الآثار ، ص ۲؍۱۱۱؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب المعدن جبار والبئر جبار ، حدیث:۶۴۰۱ ص:۲؍۱۰۲۔

۴۶۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الجنایات، باب مااصابت البھائم فی اللیل والنھار، ص: ۲؍۱۱۱ ۔

۴۷۔ ایضاً، کتاب الطلاق، باب متوفی عنھازوجھا ھل لھاان تسافر، ص: ۲؍۴۴۔

۴۸۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدۃ والمتوفی عنھازوجھا، حدیث: ۲۷۲۷ص: ۱؍۵۰۶ ۔

۴۹۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الامام یرید القتال اھل الحرب، ص: ۲؍۱۱۳؛ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال، حدیث: ۱۴۶۸ص: ۱؍۲۱۶؛ احمد بن حنبل، مسند احمد، باقی مسند الانصار، حدیث سلمان فارسی، حدیث: ۲۲۶۱۸ص: ۵؍۳۲۱۔

۵۰۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الامام یرید القتال اھل الحرب، ص: ۲؍۱۱۳۔

۵۱۔ نفس المصدر ص: ۲؍۱۱۳؛ترمذی، جامع ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال، حدیث: ۱۴۶۸ص: ۱؍۲۱۶؛ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب السیر، باب فی دعاء المشرکین، حدیث: ۲۲۶۵ص: ۱؍۳۵۸۔

۵۲۔ طحاوی، شرح معانی الآثار ، کتاب السیر، باب الامام یرید القتال اھل الحرب ، ص ۲؍۱۱۴؛بخاری، صحیح بخاری، کتاب العتق، باب من ملک من العرب دقیقافوھب، حدیث:۲۳۵۵ص : ۱؍۳۴۵ ؛ مسلم ، صحیح مسلم ، کتاب الجھاد والسیر، باب جواز الاغارۃ علی الکفار، حدیث: ۳۲۶۰ص : ۲؍۸۲؛ ابو داود، سنن ابی داود، کتاب الجھاد، باب فی دعاء المشرکین ،حدیث: ۲۲۶۳ص: ۱؍۵۸۔

۵۳۔ سورۃ المائدۃ،۵: ۸۷۔

۵۴۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، ص: ۲؍۱۵؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ لا تحرموا طیبات ما احل اللہ، حدیث:۲۳۵۵، ص: ۲؍۶۶۴؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، حدیث: ۲۴۹۳ص: ۱؍۷۴۔

۵۵۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، ص: ۲؍۱۵ ۔

۵۶۔ نفس المصدر، ص: ۲؍۱۵؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب نھی رسول اللہ ﷺ عن نکاح المتعۃ، حدیث:۳۸۹۴ ص:۱؍۶۶۷؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، حدیث: ۲۵۱۳ , ص: ۱؍۴۰۷؛ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، حدیث: ۱۰۴۰ص: ۱؍۱۵۹۔

۵۷۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ فیصلی منھارکعۃ، ص: ۱؍۲۷۲؛ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ، حدیث ۵۷۹ ص: ۱؍۷۵؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث ۹۵۶، ص: ۱؍۲۲۰؛ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فیمن ادرک رکعۃ من العصر، حدیث: ۱۷۱ص: ۱؍۴۶؛ ابوداود، سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یدرک الامام ساجدا، حدیث:۷۵۹، ص: ۱؍۱۳۶۔

۵۸۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: احمد البردونی وابراھیم اطفیش، قاہرہ: دارالکتب المصریہ، ۱۳۶۴ھ، ۵ / ۱۳۰۔

۵۹۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ فیصلی منھارکعۃ، ص:۱؍۲۷۳؛ بخاری، صحیح بخاری کتاب الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ، حدیث:۵۷۹ص:۱؍۷۵؛نسائی، سنن نسائی، کتاب المواقیت الصلاۃ، باب من ادرک رکعتین من العصر، حدیث:۵۱۲ص:۱؍۹۵۔

۶۰۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ فیصلی منھارکعۃ، ص: ۱؍۲۷۳۔

۶۱۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ فیصلی منھارکعۃ، ص: ۱؍۲۷۳۔